جنگ بدر

کیا حقیقت کیا فسانہ

سید امجد حسین

سید امجد حسین

پیش لفظ

جنگ بدر اسلام کے لیے turning point کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا، مورخین اور پیغمبر اسلام کے وقائع نگاروں نے اسے بڑی اہمیت دی اور اسے "یوم الفرقان" بھی کہا گیا۔ بعد کے مورخین اور سیرت نگاروں نے اس میں خوب نمک مرچ لگا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا، ظاہر ہے کہ عام مسلمانوں کو اتنی فرصت کہاں کہ وہ اصل ماخذ کی چھان پھٹک کرتے اور اس کا تجزیاتی محاسبہ کرتے۔ اللہ نے یہ کام ہمارے سپرد کر رکھا ہے، سو ہم ہی اسے انجام دے دیتے ہیں۔

جنگ بدر کے تعلق سے اسلامی تاریخ کے مینا بازار میں جو افسانے مقبول عام ہیں، ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(1) قریش مکہ نے مسلمانوں پر یہ جنگ تھوپی تھی، جب کہ پیغمبر اسلام مدینہ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ امن پسند زندگی گذار رہے تھے۔ یعنی جنگ بدر ایک دفاعی جنگ تھی۔

(2) مسلمانوں نے نہایت ہی قلیل تعداد یعنی 313 افراد کے ہمراہ قریش کے ایک ہزار لوگوں سے لڑی تھی اور فتح پائی۔

(3) اس جنگ کو تائید غیبی حاصل تھی، لہٰذا اس جنگ کو لڑنے میں ہزاروں فرشتے بھی مسلمانوں کے ہمرکاب تھے۔

(4) یہ حق اور باطل کی جنگ تھی جس میں حق کو فتح اور باطل کو شکست نصیب ہوئی۔

ہم مذکورہ بالا تمام معروف دعوؤں کو تفصیل سے پرکھنے کی کوشش کریں گے کہ ان میں حقیقت کتنی ہے اور فسانہ کتنا، اور یہ کسوٹی بھی ہم کہیں باہر سے نہیں لائیں گے، بلکہ خود مسلمانوں کے اسلاف کی لکھی کتابوں کی روشنی میں اس کا جائزہ لیں گے۔

سید امجد حسین / 13 ستمبر 2017

پاؤں پھیلانے نہیں دیتی ہے چادر مجھ کو

جنگ بدر 2 ہجری کے ماہ رمضان کی 17 ویں تاریخ کو ہوئی تھی۔ لیکن اس جنگ پر براہ راست آنے سے قبل ضروری ہے کہ پہلے ہم مختصر میں اس کا پس منظر جان لیتے ہیں۔

محمد جب تک مکہ میں تھے، ان کے سامنے نہ کوئی رہائشی مسئلہ تھا، نہ اقتصادی دشواری، نہ انھیں کسی اندرونی حریف یا بیرونی دشمن کا خطرہ لاحق تھا لیکن مدینے ہجرت کر کے یہ تینوں مشکلات مجسم ہو کر ان کے سامنے آ گئیں۔ محمد کی مالدار بیوی خدیجہ اپنی پھلتی پھولتی تجارت سے اتنا وافر کما لیتی تھیں کہ محمد اور ان کے متعلقین کو ہر طرح کی آسائش میسر تھی اور اتنا روپیہ پس انداز بھی ہو جاتا تھا کہ وہ دوسروں پر صرف کرتے تھے۔ ہجرت کر کے وہ مدینہ آئے تو سات ماہ تک ایک انصاری مقرب کے گھر قیام کیا۔ ان کا نہ اپنا مکان تھا، نہ مکان بنانے کے وسائل۔ ان کے میزبان اور دوسرے مقرب انصاری ان کے کھانے پینے کا انتظام کرتے تھے۔ ان کے پاس اتنا پیسہ بھی نہ تھا کہ وہ اپنی دوسری ضروریات رفع کر سکتے۔ ہجرت کے چار ماہ بعد انھوں نے بال بچوں کو مکہ سے بلا لیا تو ان کے سفر خرچ کا بندوبست ابو بکر سے ڈھائی سو روپے (پانچ سو درہم) لے کر کیا۔ ابو بکر ہجرت کے وقت دو ڈھائی ہزار روپے مدینہ لے کر آئے تھے۔ محمد کی منگنی تین سال پہلے ابو بکر کی بیٹی عائشہ سے ہوئی تھی۔ عائشہ کو مدینہ آئے کئی ہفتے گذر گئے لیکن محمد انھیں رخصت کر کے گھر نہ لے جا سکے، کیوں کہ ان کے پاس مہر ادا کرنے کے لیے روپیہ نہیں تھا۔ ان کے خسر ابو بکر نے جب یہ رقم خود ادا کی تو رخصتی عمل میں آئی۔ (دیکھیے: بلاذری انساب، طبقات ابن سعد)

محمد کے درجنوں ہاشمی و مطّلبی رشتے دار اور دوسرے قریشی مع عیال مدینہ آ گئے تھے، ان میں سے اکثر مکہ کے خوش حال تاجر ہوا کرتے تھے۔ معدودے چند کو چھوڑ کر مدینہ میں تقریباً سب ہی مختلف قسم کی معاشی، رہائشی اور ناخوشگوار معاملات سے پیدا ہونے والی پریشانیوں سے دوچار تھے۔ انصار نے انھیں اپنے گھروں میں ٹھہرا لیا تھا اور ان

کے کھانے پینے کا کلی یا جزوی بندوبست بھی کر دیا تھا لیکن عرصے تک نوواردوں کے قیام وطعام سے عہد بر آ ہونا ان کے بس سے باہر تھا۔ انصار کے چند خاندان ہی مرفہ الحال تھے، باقی کی معاشی بنیادیں کمزور تھیں۔

ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد یعنی سن دو ھجری میں محمد قریش سے لڑنے کے لیے روانہ ہوئے تو ان کی زبان پر یہ دعا تھی؛

"مالک! میرے مسلمانوں ساتھیوں کے پیروں میں چھالے پڑ گئے ہیں، انھیں سواری عطا کر۔ ان کے پاس کپڑا نہیں، انھیں کپڑا دے۔ وہ بھوکے ہیں، انھیں پیٹ بھر کر کھانا دے۔ وہ مفلس ہیں، انھیں دولت عطا کر"۔ (دیکھیے: طبقات ابن سعد)

ہجرت سے محمد کی جو توقعات تھیں، وہ بھی پوری نہیں ہو رہی تھیں۔ انھیں توقع تھی کہ مدینہ میں بودوباش رکھنے والے اوس وخزرج قبیلوں کے سب عرب انھیں نبی تسلیم کر کے مسلمان ہو جائیں گے اور ان کی بے چون وچرا اطاعت کرنے لگیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ان قبیلوں کے ایک گروہ نے انھیں نبی ماننے سے صاف انکار کر دیا اور ایک اقلیت جو شہر کے تہائی سے زیادہ افراد پر مشتمل تھی اور اکثریت کے دباؤ میں انھیں نبی مان کر مسلمان ہو گئی تھی، اپنے مقامی لیڈروں کے، جن کا قائد عبداللہ بن ابی بن سلول تھا، زیر اثر تھی اور سارے اہم معاملات میں محمد کی بات ماننے کی بجائے اپنے لیڈروں کا حکم بجالاتی تھی۔ یہ نمائشی مسلمان تھے جنھیں قرآن میں منافق کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔

دوسری جانب محمد مدینہ کے یہودیوں کی طرف سے بھی پُر امید تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ انھیں نبی تسلیم کر کے مسلمان ہو جائیں گے لیکن انھیں اپنی کوششوں میں یہاں بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی بلکہ اس کوشش کا الٹا اثر یہ ہوا کہ یہودی اسلام کو اپنے مذہب کا ایک خطرناک حریف سمجھنے لگے۔

خاطر نشان رہے کہ عرب معاشرے میں اس شخص کی سرداری قبول کی جاتی تھی جو خوب مالدار، طاقتور اور فیاض ہوتا تھا۔ ایسے شخص کی عزت ہوتی تھی، اس کا رعب مانا جاتا تھا اور اس کی اطاعت کی جاتی تھی۔ محمد نے دیکھا کہ مدینہ کے اندر اور باہر بہت سے عرب ان کی بے بضاعتی کے باعث نہ انھیں نبی مانتے ہیں، نہ ان کی عزت کرتے ہیں، نہ ان کی اطاعت کرنے کو تیار ہیں۔ ان حالات میں انھیں مالی توانائی حاصل کرنے اور اپنی مادی طاقت بڑھانے کا

شدت سے احساس ہوا۔ انھیں یقین ہو گیا کہ جب تک وہ ان کے مہاجر اقارب اور ساتھی مفلس و قلاش ہیں، کھانے پینے تک کے لیے انصار کے محتاج ہیں، اس وقت تک نہ ان کی بے چون و چرا اطاعت ہو سکتی ہے اور نہ اسلام فروغ پا سکتا ہے۔ انھیں یہ بھی یقین ہو گیا کہ موجودہ حالات میں معاشی توانائی حاصل کرنے کا عملی طریقہ یہ ہے کہ مخالفوں سے جنگ کی جائے اور انھیں شکست دے کر ان کی دولت اور دولت کے وسائل پر قبضہ کر لیا جائے۔ ہجرت کے ساتویں ماہ مخالفوں کے خلاف تلوار اٹھانے کی بالآخر انھیں قرآن نے اجازت دے دی؛ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَتَلُونَ بِأَنَّهُمۡ ظُلِمُواْۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ نَصۡرِهِمۡ لَقَدِيرٌ (22:39) [دیکھیے: طبقات ابن سعد، بلاذری انساب، طبری، شافعی، فتح الباری، احکام القرآن، زاد المعاد]

****

الٰہی خیر میرے کارواں کی

جنگ بدر سے پیشتر چار مرتبہ خود محمد نے اس غرض سے لشکر کشی کی اور تین بار ان کے اصحاب نے بھی قافلے وغیرہ لوٹنے کے اقدامات کیے لیکن نہ تو وہ قریش مکہ کو نقصان پہنچانے میں کامیاب رہے اور نہ ہی زیادہ مال غنیمت ہاتھ آیا۔ ماہ رجب میں بھی جب انھوں نے قریش کے ایک قافلہ کو لوٹا تو کچھ زیادہ حاصل نہیں ہوا، جب کہ یہ مہینہ قدیم الایام سے مقدس تصور کیا جاتا تھا جس میں کشت وخون جائز نہ تھا۔ لیکن ہمیشہ کی طرح محمد نے اس کی جواز جوئی کے لیے خود پر قرآن کے سورہ بقرہ کی 216ویں آیت اتار لی:

"(اللہ کی راہ میں) قتال تم پر فرض کر دیا گیا ہے حالانکہ وہ تمہیں طبعاً ناگوار ہے، اور ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ (حقیقتاً) تمہارے لئے بہتر ہو، اور (یہ بھی) ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ (حقیقتاً) تمہارے لئے بری ہو، اور اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ان حملوں نے مسلمانوں میں کشت وخون اور غارتگری کی روح بھر دی اور ان کی نظر میں انتقام کشی کو جائز ٹھہرادیا، چنانچہ سورہ حج کی آیت 40-41 میں مرقوم ہے:

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے (انہوں نے کچھ قصور نہیں کیا) ہاں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار خدا ہے۔ اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو (راہبوں کے) صومعے اور (عیسائیوں کے) گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں خدا کا بہت سا ذکر کیا جاتا ہے ویران ہو چکی ہوتیں۔ اور جو شخص خدا کی مدد کرتا ہے خدا اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔ بے شک خدا توانا اور غالب ہے۔"

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰة ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔"

المختصر، اس طرح جنگ و جدل کی مختلف طریقوں سے ترغیب دی گئی جس کے نتیجے میں سخت اور شدید محاربوں کی تیاری ذہنی طور پر کر دی گئی تھی، اور وہ موقع جلد ہی جنگ بدر کی صورت میں مل گیا۔

اہل مکہ کا یہ دستور تھا کہ وہ ایک قافلہ سرما میں اور ایک گرما میں بھیجا کرتے تھے۔ اس بار قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں سفر کر رہا تھا، جس میں ایک ہزار اونٹ اور دیگر قیمتی اشیائے تجارت لدے ہوئے تھے۔ (ترجمہ مغازی، صفحہ 14-15)

سالار کارواں ابوسفیان کے ساتھ قافلے کی حفاظت کے لیے 40 مسلح افراد ہمراہ تھے۔ جب محمد کو خبر ملی کہ یہ قافلہ سیریا سے واپس ہو کر حجاز میں پہنچا ہے تو آپ کو امید ہو گئی کہ اس بار یہ قافلہ ان کے ہاتھوں سے بچ نہ پائے گا۔ چنانچہ محمد نے مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا، "اہل مکہ کا ایک مالدار قافلہ جا رہا ہے، اگر اللہ اسے ہمیں سونپ دے تو تعجب کی بات نہیں ہونی چاہیے۔" (ترجمہ مغازی، صفحہ 12) پھر آپ نے گڑگڑا کر وہ دعا مانگی جس کا ذکر ہم پہلی قسط میں کر چکے ہیں۔ القصہ، محمد کے اصحاب میں سے بہت سارے لوگ آپ کی مدد کو تیار ہو گئے لیکن بعض اس خیال سے اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلے کہ سارے لوگوں کو جانے کی ضرورت نہیں۔ 340 آدمی مدینہ سے روانہ ہوئے، جن میں 87 مہاجرین اور 236 انصار شامل تھے۔ انصار پر لڑنا فرض نہیں تھا، کیوں کہ انھوں نے محمد سے اس قسم کا کوئی معاہدہ نہیں کیا تھا جو انھیں اس جنگ میں لازمی طور پر شریک ہونے کے لیے مجبور کرتا۔ ہاں، اگر مدینہ میں محمد پر کوئی حملہ آور ہوتا تو واجب تھا کہ وہ آپ کی حفاظت کے لیے لڑتے۔ لیکن ایک تو محمد کی مدنی رہائش کے بعد ان کا تعلق آپ سے بہت ہی گہرا اور پختہ ہو گیا تھا، حتیٰ کہ وہ آپ کے لیے لڑنے مرنے کو تیار ہو گئے تھے اور دوسری طرف چونکہ اہل عرب میں داد شجاعت دینے کا شوق اور لوٹ مار کی خواہش کو ایک نہایت ہی اہم جذبہ تسلیم کیا جاتا تھا، اس لیے انصار بھی آمادہ پیکار ہو گئے۔

مسلمانوں کے پاس اونٹ بہت تھوڑے سے ہی تھے، لہٰذا وہ ان پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ محمد اور علی کے پاس صرف ایک ہی اونٹ تھا۔ لشکر کی روانگی کے فوراً بعد ہی محمد نے طلحہ بن عبید اور سعید بن زید کو سیریا کی سرحد پر جاسوسی کرنے بھیجا تا کہ معلوم ہو سکے کہ اس قافلے کی آمد کے متعلق بدر میں کوئی ہلچل ہے یا نہیں؟ انھوں نے وہاں پہنچ کر خشد الجھنی نام کے ایک بندے سے ملاقات کی جس نے انھیں اپنے پاس چھپا لیا۔ یہ دونوں جاسوس

معلومات حاصل کر کے جلد ہی مدینہ کی طرف لوٹ آئے اور سب کچھ محمد کو بتا دیا۔ محمد بدر کی طرف کوچ کر گئے اور سرعت رفتاری سے دو منزلہ کرتے ہوئے اپنے لشکر سے جا ملے۔ انھوں نے اپنے اصحاب کو خبر دی کہ ابوسفیان کا قافلہ دو دنوں کے اندر بدر پہنچنے کو ہے۔

ادھر ابوسفیان سیریا سے روانہ ہونے سے پیشتر ہی محمد کے لوٹ مار کے قصد کی افواہیں سن چکا تھا (ملاحظہ فرمائیں، الواقدی کی "کتاب المغازی" میں اس کا یہ بیان، جس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمان حملہ آور تھے)۔ لہٰذا، اس نے ضمضم کو امداد طلب کرنے کے لیے مکہ کی طرف روانہ کیا اور خود کارواں لے کر بحر قلزم کی پاس کی ایک راہ سے جلدی جلدی منزلیں طے کرنے لگا۔ لیکن بدر راستے میں پڑتا تھا اور مدینہ سے قریب ہونے کے سبب نہایت ہی خطرناک مقام تھا۔ ابوسفیان تنہا سوار ہو کر قافلے سے آگے نکلا تاکہ پہلے بدر پہنچ کر وہاں کی سُن گُن لے سکے۔ وہاں اسے پتہ چلا کہ دو اجنبی لوگ دیکھے گئے ہیں جن کے اونٹ بدر کے کنوئیں کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ اسے اونٹ کی لید میں کھجور کی گٹھلیاں ملیں اور وہ پکار اٹھا، "بخدا یہ ضرور مدینہ کے اونٹ ہیں۔" (روضتہ الصفا، حصہ دوم، جلد اول، صفحہ 293)۔ بہر حال، وہ فوراً اپنے قافلے کی طرف لوٹا اور دوسری راہ اختیار کر کے فی الفور گھر کا رخ کیا۔ جو جماعت مکہ سے اس کی مدد کو آ رہی تھی، اسے بھی ایک قاصد سے کہلا بھیجا کہ واپس لوٹ جاؤ، اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔" (ایضاً)

ضمضم کے مکہ پہنچنے سے تین روز پیشتر عبد المطلب کی بیٹی عاتکہ نے ایک نہایت ہولناک خواب دیکھا جسے اس نے اپنے بھائی عباس سے بیان کیا کہ اہل مکہ پر ایک بڑی مصیبت آنے والی ہے، میں نے شتر سوار کو دیکھا جو چلا چلا کر کہتا تھا کہ اے دغا بازو، تین دن کا سفر کر کے اپنی ہلاکت کو پہنچو۔ عباس نے حرم کعبہ میں جا کر تین مرتبہ اس خواب کے بارے میں لوگوں کو جانکاری دی، پھر وہ قریب کی ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور وہاں سے بھی اس نے تین بار یہی خواب سنایا۔ پھر اس نے ایک پتھر اٹھا کر مدینہ کی طرف پھینکا، اس پتھر کے بہت سارے ٹکڑے ہو گئے اور جا کر بہت سے گھروں کو لگے۔ عباس نے یہ دیکھ کر کہا، "یقیناً یہ الہامی خواب ہے۔" دوسرے دن جب عباس کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو ابوجہل نے طنزاً اس سے کہا، "تمھارے خاندان میں کب سے نبیہ پیدا ہو گئی؟ اگر کچھ ایسا نہ ہوا تو میں یہ ضرور اعلان کر دوں گا کہ تمھارے خاندان میں ایک مکار اور فریبی موجود ہے۔" عباس اس ذلت سے شکست خوردہ ہو کر

جب گھر لوٹا تو گھر کی عورتوں نے اسے بہت لعنت ملامت کی، "تم نے ذلیل ابو جہل کو اجازت کیسے دی کہ وہ تمھارے خاندان کے مردوں کی توہین کرے اور اب تو اس نے عورتوں تک کو بے عزت کرنا شروع کر دیا ہے، کیا تم اسے یوں ہی جاری رہنے دو گے؟" عباس کی غیرت جاگی اور وہ ابو جہل سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے بہانہ ڈھونڈنے لگا۔ تیسرے روز صبح کعبہ کو گیا، وہاں ابو جہل موجود تھا لیکن اس نے عباس سے ملنا تک گوارا نہیں کیا بلکہ بھاگ گیا۔ ابو جہل کے بھاگنے کا سبب عباس سے خوفزدہ ہونا نہ تھا بلکہ خوف کی وجہ ضمضم کی آواز تھی جو ایک بری خبر لے کر آیا تھا۔ تباہی کے نشان کے طور پر اس نے اپنے اونٹ کے کان کاٹ ڈالے، زین الٹا باندھا، اپنے کپڑے پھاڑے اور بلند آواز سے پکار کر کہا، "قریش! قریش! محمد تمھارا قیمتی مال تجارت لوٹ لے گا۔ اس مال کو بچانے کے لیے تمھارا وقت پر پہنچنا بہت مشکل ہے، مدد کے لیے جلدی آؤ۔"

اہل مکہ اپنے مال تجارت کے لٹنے کے امکان سے کافی گھبرا گئے اور جلدی جلدی روانگی کی تیاری کرنے لگے۔ وہ کہتے تھے، "کیا محمد یہ سمجھتا ہے کہ وہ جس طرح الحضرمی کے قافلے پر جا پڑا تھا، اسی طرح اس قافلے پر بھی آ پڑے گا؟ بخدا ہم اسے بخوبی سمجھا دیں گے کہ یہ اس کی خام خیالی ہے۔" یہاں بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ابو سفیان کے پیغام پر اہل مکہ نے مجموعی طور پر لشکر کشی کی تا کہ محمد کو اس کی بے باکیوں کی سزا دیں اور آئندہ کے لیے اپنے مال تجارت کی سلامتی پر مہر لگا دیں۔

مکہ کے بڑے بڑے رئیس ہتھیار باندھ کر روانہ ہوئے۔ صرف ابو لہب نے لات و عزیٰ کی قسم کھا کر کہا، "میں نہ تو خود جاؤں گا اور نہ کوئی اپنا متبادل بھیجوں گا۔" ابو جہل نے طنزاً کہا، "تم بھی مسلمان ہی ہو۔" کہا جاتا ہے کہ اس طعن کے بعد ابو لہب نے اپنی جگہ اپنے ایک مقروض عاص بن ہشام کو لشکر کے ساتھ بھیج دیا۔ امیہ بن خلف چونکہ بوڑھا تھا، اس لیے اس نے اپنی جگہ کسی کو بھیجنے کا ارادہ کیا۔ اس پر عتبہ بن ابی معیط نے انگیٹھی میں خوشبو کے ساتھ چند کوئلے سلگا کر اس کے سامنے پیش کیا اور کہا، "خود کو معطر کر لے، کیوں کہ تو عورت ہے۔"

بہر حال، تقریباً ایک ہزار جنگجو مرد اور ایک سو گھوڑوں کے ساتھ اہل مکہ پوری خود اعتمادی کے ساتھ بدر کی جانب روانہ ہوئے۔ ابو جہل نے کہا، "اب اگر محمد اور اس کے ساتھی یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہم پر ویسی ہی فتح حاصل کر لیں گے جس طرح نخلہ میں حاصل ہوئی تھی، تو ان کی یہ سخت غلط فہمی ہے، ہم انھیں دکھلا دیں گے کہ ہم اپنے

کارواں کی محافظت کر سکتے ہیں۔" (ان سرداران قریش کی تقریریں مجموعہ کامل کے صفحہ 20 پر مندرج ہیں، جن سے علم ہوتا ہے کہ یہ لشکر کشی اپنے قافلے کو خطرے سے بچانے کے لیے کی گئی تھی۔)

اس فوج کے ساتھ گانے بجانے والی عورتیں بھی تھیں جو اپنے گیتوں کے ذریعہ سفر کے مصائب کو ہلکا کرتی تھیں اور راستے میں جہاں بھی کنوؤں کے آس پاس آرام کی غرض سے توقف کیا جاتا تھا، وہاں وہ اپنے نغمہ وسرود سے ان کا جی بہلاتی تھیں۔

جب ابوسفیان کا یہ پیغام ان تک پہنچا کہ کارواں کو اب کوئی خطرہ نہیں ہے، وہ لوٹ جائیں تو بعض مکی نے تو فوراً واپسی کا ارادہ کر لیا لیکن ابوجہل نے لوٹنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک بدر پہنچ کر دو تین دن تازہ دم نہ ہو جائیں، ہم ہرگز واپس نہیں ہوں گے۔ اخنس نے جو زہرہ کے خاندان سے واسطہ رکھتا تھا، اس نے جواب دیا؛ "اے بنی زہرا، ہم اپنے مال تجارت کی محافظت کے لیے آئے تھے۔ اب چونکہ خدا نے اس خطرے سے نجات دے دی ہے تو اپنے گھروں کو چلو۔ خواہ مخواہ خطرے میں پڑنے سے کیا فائدہ؟" اس پر بنی زہرا اور بنی عدی تو مکہ کی طرف لوٹ گئے لیکن بقیہ آگے کی طرف سفر کرتے رہے اور آخر وادئ بدر کی شمالی سمت میں القنقل کے قریب ڈیرہ ڈال دیا۔

****

سوال کرتی آنکھیں منتظر ہیں یہاں

جب محمد، ابوسفیان کا قافلہ لوٹنے کی غرض سے صفرا کے مقام کے قریب وادئ ذفران پہنچے تو وہاں انھیں اطلاع ملی کہ قریش مکہ اپنے تجارتی قافلے کو بچانے کے لیے ایک لشکر لے کر مکہ سے کوچ کر چکے ہیں۔ محمد نے تمام اصحاب کو بلا کر ان سے مشورہ کیا، "قریش کے لوگ انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ مکہ سے کوچ کر چکے ہیں، اب بتاؤ کیا کہتے ہو، کیا جنگ کے مقابلے میں تم صرف قافلے کو ترجیح دیتے ہو؟" ایک روایت کے مطابق کچھ لوگوں نے کہا، "آپ نے ہم سے صرف تجارتی قافلہ کا ذکر کیا تھا اور اسی لیے ہم آئے ہیں ورنہ ہم جنگ کی تیاری کر کے آتے۔" ایک دوسری روایت میں الفاظ اس طرح ہیں، "یارسول اللہ! آپ صرف تجارتی قافلے پر ہی بس کیجیے، دشمن کو چھوڑ دیجیے۔" (سیرت الحلبیہ، جلد دوم، نصف اول، صفحہ 385) یہاں بھی قارئین پر خوب اچھی طرح واضح ہو گیا ہو گا کہ جنگ بدر کا محرک ابوسفیان کے قافلہ کو لوٹنا تھا اور یہ جنگ کسی قسم کی دفاعی جنگ وغیرہ نہیں تھی بلکہ خود مسلمانوں نے اس کی تیاری کی تھی۔ خیر آگے بڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ خود محمد اس جنگ کے لیے کتنے بے تاب تھے۔

اصحاب کے مذکورہ بالا دونوں مشورے محمد کو بھلا کیوں کر پسند آتے، چونکہ ناکام لوٹنے کا مطلب مدینہ میں ان کی سبکی تھی، لہٰذا ہمیشہ کی طرح ایک آیت نازل کرلی۔

"جیسا آپ کے رب نے آپ کے گھر اور بستی سے مصلحت کے ساتھ آپ کو بدر کی طرف روانہ کیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اسے گراں سمجھتی تھی۔" (سورہ انفال، آیت 5)

اس آیت کے نزول کے بعد فوراً ابوبکر کھڑے ہوئے، پھر عمر اور ان کے بعد مقداد کھڑے ہو کر محمد کو تسلی دی کہ ان کی جانثاریاں ان کے ساتھ ہیں۔ (تقریر کا متن سیرت حلبیہ میں ملاحظہ فرمائیں) اپنے اصحاب کی تائید کے ساتھ محمد کا چہرہ خوشی سے کھل گیا اور مسکراتے ہوئے مقداد کے لیے خیر کی دعا تک مانگ ڈالی۔ لیکن محمد نے اتنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ وہ انصار کی رائے بھی چاہتے تھے۔ ان کے بار بار پوچھنے پر سعد ابن معاذ نے بھی مقداد کی طرح ایک پرجوش تقریر کر کے محمد کا ساتھ دینے کا یقین دلایا (ایضاً)۔ محمد کا کام ختم ہو چکا تھا، اب انھوں نے آگے بڑھنے کا مشورہ

دیتے ہوئے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھایا، "خدا کی قسم ایسا ہے، جیسے میں قریش کی قتل گاہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

المختصر لشکر روانہ ہوا اور راستے میں پوچھتے پاچھتے قریش سے پہلے پانی کے چشمے پر قبضہ کر لیا، جو بدر کے کافی قریب تھا۔ حباب ابن منذر نے محمد کو مشورہ دیا کہ یہ جگہ مناسب نہیں ہے اور وہاں قیام کرنا چاہیے جو دشمن کے پانی سے قریب ترین جگہ ہو۔ حباب نے بتایا کہ وہ جس کنویں کی بات کر رہا ہے، اس کے پانی کی کثرت سے وہ خوب واقف ہے۔ چنانچہ محمد نے حباب کی جنگی چال سے اتفاق کیا اور اس چشمے تک پہنچے جو اس جگہ سے قریب ترین تھا جہاں دشمن نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ پھر محمد نے اس کچے کنوئیں پر ایک حوض بنوائی جہاں انھوں نے پڑاؤ ڈالا تھا اور اس میں پانی بھروا دیا۔ سعد ابن معاذ کے مشورے پر وہاں محمد کے قیام کے لیے ایک سائبان یعنی چھپر ڈالا گیا، جہاں سے وہ پورے میدان جنگ کا نظارہ بھی کر سکتے تھے۔ محمد کی حفاظت کے لیے ابو بکر نے اپنی تلوار کا سایہ ان کے سر پر کر دیا۔

سیرت حلبیہ میں مذکور ہے کہ جب صبح ہوئی تو قریشی لشکر ریت کے ٹیلے کے پیچھے سے نمودار ہوا یعنی محمد اپنے صحابہ کے ساتھ رات کو ہی پانی پر قبضہ کرنے کے لیے پہنچ گئے تھے کیوں کہ قریش کی آمد فجر طلوع ہونے اور صبح کی نماز ہونے کے بعد ہوئی تھی (ایضاً، صفحہ 400)۔

عتبہ نے ایک بار پھر ابو جہل سے کہا کہ مکہ کی طرف لوٹ چلتے ہیں، چونکہ روایت کے مطابق اس نے دیکھ لیا تھا کہ "محمد اور اس کے ساتھی گوشت کے ایک نوالے کی طرح ہیں اور انھیں میں اس کا بیٹا بھی ہے۔" (سیرت ابن ہشام، حصہ دوم، صفحہ 276) لیکن ابو جہل نے یہ بات نہ مانی اور اس کا نہ ماننا بھی معقول تھا کہ آئندہ کے لیے ہمارے قافلوں کی سلامتی اسی میں ہے کہ ہم لڑیں۔ (روضتہ الصفا، حصہ دوم، صفحہ 305)

جنگ کی شروعات بھی محمد نے ہی کی۔ جب قریش کے کچھ لوگ پانی لینے کے لیے حوض کی طرف بڑھے تو محمد نے اپنے صحابہ سے کہا، "ان کو آنے دو، آج کے دن جو شخص بھی اس حوض سے پانی پیے گا، وہ یہیں کفر کی حالت میں قتل ہو گا۔" حکیم ابن حزام کو چھوڑ کو بقیوں کو قتل کر دیا گیا۔ حکیم بن احزام بچ نکلا، بعد میں اس نے بطور شکر گذاری اسلام قبول کر لیا اور اپنی اس ممنونیت کا اظہار وہ زندگی بھر کرتا رہا۔ (پوری تفصیل کے لیے پڑھیں: سیرت الحلبیہ، سیرت ابن ہشام، کتاب المغازی)

بہر حال، جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ عربی دستور کے مطابق شخصی لڑائی کے لیے سب سے پہلے عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید بن عتبہ کے ساتھ نکلا اور مقابلے کے لیے وہ محمد سے جنگجو طلب کرنے لگا۔ محمد نے کے اشارے پر انصار میں سے تین نوجوان آگے بڑھے لیکن عتبہ نے ان سے لڑنے سے انکار کرتے ہوئے محمد کو آواز لگائی کہ "اے محمد! ہماری قوم سے ہمارے ہمسر روانہ کر۔" محمد نے پھر مہاجرین میں سے عبیدہ بن الحارث، حمزہ اور علی کو مقابلے کے لیے بھیجا۔ حمزہ نے شیبہ کو مہلت نہیں دی اور اسے قتل کر دیا۔ علی نے بھی ولید کو فوراً قتل کر ڈالا۔ عبیدہ اور عتبہ برابر پڑ رہے تھے، حمزہ اور علی دونوں نے یہ معاملہ دیکھ کر عتبہ پر ایک ساتھ حملہ کر ڈالا اور تینوں نے مل کر عتبہ کو قتل کر ڈالا۔ محمد کی طرف "احد، احد" کے نعرے لگنے لگے۔ (یہ نعرہ خود محمد کا تجویز کردہ تھا)۔ اس نعرہ سے آتش جنگ مشتعل ہو گئی۔ محمد، ابو بکر کو لے کر اس جھونپڑی میں جا گھسے جو ان کے لیے بنایا گیا تھا، اور دعا کرنے لگے، "اے پروردگار، اپنی رسالت کو پورا کر۔ اگر یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک ہو گئی تو تمام روئے زمین پر تیری خدمت کے لیے کوئی بھی نہیں ہو گا۔" اگر چہ ابو بکر نے محمد کی ڈھارس بندھائی کہ بس کریں، اللہ اپنے وعدے کو فراموش نہیں کرے گا لیکن اس کے باوجود کانپنے لگے اور بیہوش ہو گئے۔ ہوش آیا تو محمد نے کہا، "اے ابو بکر خوش ہو جا، اللہ نے ہمیں مدد بھیج دی ہے۔ میں جبرئیل کو دیکھتا ہوں جو اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے کھڑا ہے۔" پھر وہ جھونپڑی سے باہر آئے اور چلا چلا کر اپنے سپاہیوں کو جوش دلانے اور انھیں مشتعل کرنے میں لگ گئے، "جو کوئی بہادری اور دلیری سے لڑے گا اور اپنے زخموں سے مرے گا، سیدھا جنت جائے گا۔" ایک معصوم مسلمان نے پوچھا، "میں ایسا کیا کروں جو اللہ مسکرانے لگے؟" محمد نے فوراً جواب دیا، "صرف ایمان کا ہتھیار پہن کر لڑائی میں جا گھسنے سے خدا مسکرائے گا۔" وہ بیچارہ مسلمان فوراً اپنا ہتھیار پھینک کر مسلح دشمنوں میں جا گھسا اور کئی زخم کھا کر مر گیا۔ (کیا اس طرح کے نمونے اب بھی ہمارے ہاں دستیاب نہیں ہیں؟)

بہر حال، اب دونوں لشکر ایک دوسرے سے قریب ہوتے چلے گئے، تلواروں کی کھنک، لوگوں کے سر ان کی گردنوں سے الگ ہونے کی دلخراش آوازیں فضا میں گونجنے لگیں۔

****

مدعا ہم کو انتقام سے ہے

محدثین بیان کرتے ہیں کہ جبرئیل اور میکائیل دونوں فرشتے محمد کے دائیں بائیں کھڑے تھے۔ اس روز بڑی زور کی آندھی چل رہی تھی۔ علی کے مطابق تین زور دار جھونکے آئے۔ پہلے جھونکے کے ساتھ جبرئیل، دوسرے جھونکے کے ساتھ میکائیل اور تیسرے کے ساتھ اسرافیل پدھارے، تینوں کے ساتھ ایک ہزار فرشتے تھے (روضتہ الصفا، حصہ دوم، جلد اول، صفحہ 319)۔ محمد نے بھی موقع غنیمت جان کر اپنی رسالت کی توثیق اور اصحاب کی حوصلہ افزائی کے لیے وحی بلالی:

"جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمھاری سن لی کہ میں تمھیں مدد دینے والا ہوں ہزار فرشتے سے۔" (سورہ انفال، آیت 9)

ابن اسحاق کہتا ہے، پھر محمد نے مٹھی بھر کنکریاں لیں اور انھیں کفار کی طرف پھینکا، "تمھارے چہرے بگڑ جائیں۔" اس کنکریوں کے پھینکنے کو بھی محمد نے اپنی اس احمقانہ حرکت کو بھی کمال مہارت سے خدا کی جانب موڑ دیا، چنانچہ سورہ انفال کی آیت 17 میں تائید غیبی بھی آگئی کہ یہ کنکریاں تم نے نہیں اللہ نے پھینکی تھیں۔

جنگ کے درمیان بھی محمد اقربا پروری کو نہیں بھولے۔ سیرت ابن ہشام میں مذکور ہے کہ محمد نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ بنی ہاشم کو قتل نہ کریں، ابوالبختری بن ہشام بن الحارث بن اسد کو کوئی قتل نہ کرے اور چچا عباس بن عبدالمطلب کو قتل نہ کریں۔ ظاہر ہے اس غیر منصفانہ حکم پر سوال اٹھنا فطری تھا، چنانچہ ابو حذیفہ نے برجستہ کہا، "ہم اپنے باپ دادا، بیٹے، پوتوں، بھائیوں اور اپنے خاندان کے لوگوں کو تو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں؟ واللہ اگر میں اس سے ملوں تو میں اسے تلوار کا ضرور نوالہ بناؤں گا۔" (سیرت ابن ہشام، حصہ دوم، صفحہ 282)
اگر محمد حق پر تھے تو انھیں اس سوال کا معقول جواب دینا چاہیے تھا، لیکن وہ جواب کو پس پشت ڈال کر اپنے معتمد خاص عمر سے مخاطب ہوئے، "کیا رسول اللہ کے چہرے پر تلوار ماری جائے گی؟" حالاں کہ ابو حذیفہ نے نہایت ہی

مدلل انداز میں سوال کیا تھا، لیکن بڑی بے حیائی سے محمد اپنے چچا کا اب بھی رونا رو رہے تھے، حالاں کہ اس وقت انھیں یہ خیال کرنا چاہیے تھا کہ ان کے اصحاب میں بہت سارے ایسے لوگ شامل تھے جن کے قریبی رشتہ دار بھی عباس کے ساتھ دشمنوں کی صف میں موجود تھے، تو پھر یہ خصوصی رعایت صرف محمد کے چچا کو کیوں، بقیوں کو کیوں نہیں؟

بہر حال، اجڈ عمر نے محمد کی مذکورہ بالا دہائی دینے کے بعد ان سے پوچھا، "مجھے اجازت دیجیے تو اس کی گردن اڑادوں، کیوں کہ وہ منافق ہو گیا ہے۔" قارئین کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اسلام میں سوال کرنا روز اول سے ایک ایسا جرم ٹھہرا جس کی سزا گردن زدنی ہے۔ خیر، محمد نے حالات کی سنگینی دیکھتے ہوئے مصلحتاً حذیفہ کی جاں بخشی کر دی لیکن ابن ہشام کہتا ہے کہ جب تک حذیفہ زندہ رہے، انھیں یہ دھڑ کا لگا رہا کہ کہیں ان کی گردن کوئی مسلمان نہ اڑا دے، حتیٰ کہ وہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

ہر بار کی طرح سیرت نگاروں نے حذیفہ کے سوال پر جواز جوئی کرتے ہوئے صفحات سیاہ کر دیے لیکن بہر حال وہ سوال اب بھی زندہ ہے، جو پھانس بن کر محدثین، سیرت نگاروں، مورخین اور مفسرین کے سینے میں کھٹکتا رہا ورنہ وہ عذر لنگ پیش نہ کرتے ہوتے۔

بہر حال، اسحاق کے مطابق، اس کے بعد اہل مکہ پسپا ہونے لگے اور ان میں سے کئی قتل ہو گئے۔ امیہ بن خلف بھی مارا گیا جس نے مکہ میں بلال کو تپتی ریت پر لٹایا تھا، لہٰذا بلال کی منتقمانہ تحریک پر اسے بھی قتل کر دیا گیا، حالاں کہ امیہ بن خلف، عبد الرحمٰن بن عوف کا قیدی تھا۔ بالآخر معاذ اور ابو جہل کا آمنا سامنا ہو گیا، معاذ نے اس کی ٹانگ زانو کے اوپر سے کاٹ ڈالی۔ اس پر ابو جہل کے بیٹے نے معاذ پر حملہ آور ہو کر اس کا بازو تقریباً کاٹ ڈالا۔ معاذ کا کٹا ہوا بازو چونکہ لڑائی میں رکاوٹ ثابت ہونے لگا، اس لیے اس نے اپنے جسم سے جھولتے ہوئے بازو کو کاٹ کر الگ کر دیا اور حسب سابق میدان کارزار میں سرگرم ہو گیا۔

فتح حاصل کرنے کے بعد محمد نے انتقامی جذبے سے سرشار اپنے سب سے قریبی دشمن ابو جہل کو مقتولوں میں تلاش کرنے کا حکم دیا۔ عبد اللہ بن مسعود کا گذر وہاں سے ہوا جہاں ابو جہل جان کنی کی حالت میں پڑا تھا۔ عبد اللہ بن مسعود کو بھی انتقامی جذبہ حب رسول میں ملا تھا، سو خود ان کے مطابق، ابو جہل نے انھیں مکہ میں بڑی اذیت

پہنچائی تھی، لہٰذا احساب برابر کرنے کے لیے انھوں نے اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھا۔ ابوجہل نے کہا، اے بکریوں کے ذلیل چرواہے! تو نہ چڑھی جاسکنے والی جگہ چڑھ گیا ہے۔ جواب میں عبداللہ بن مسعود نے اس کا سر کاٹ لیا اور لے جاکر محمد کے سامنے ڈال دیا۔ (سیرت ابن ہشام، حصہ دوم، صفحہ 278-80)

پھر محمد نے ایک بڑے سے گڑھے میں تمام قریش مکہ کی لاش کو ڈالنے کا حکم دیا۔ سب کو ڈال دیا گیا، امیہ بن خلف کا جسم زرہ میں پھول کر پھنس گیا تھا۔ اسے نکالنے کی کوشش کی گئی تو اس کے جوڑ جوڑ جسم سے الگ ہو گئے۔ آخر اسے اسی حالت میں گڑھے میں ڈال دیا گیا۔ اب فاتحانہ احساس سے مغلوب محمد گڑھے کے پاس کھڑے ہو کر ان سڑی گلی لاشوں سے مخاطب ہوئے، "اے گڑھے والو! اے عتبہ بن ربیعہ اور اے شیبہ بن ربیعہ اور اے امیہ بن خلف اور اے ابوجہل بن ہشام (پھر گڑھے میں جتنے تھے، ان کا نام لیتے رہے) تمھارے پروردگار نے جو تم سے وعدہ کیا تھا، کیا تم نے اسے سچا پایا۔ مجھ سے تو میرے پروردگار نے جو کچھ وعدہ فرمایا، میں نے اسے سچا پایا۔" (سیرت ابن ہشام، حصہ دوم، صفحہ 293-294) اس مقام پر محمد کی ثقاوت قلبی کو دیکھا جاسکتا ہے کہ ان کے دل میں بھڑکتے ہوئے انتقام کے شعلے اپنے دشمنوں کو مار کر بھی سرد نہیں پڑے تھے، لہٰذا اپنے الفاظ کے نیزے استعمال کرکے ان کی لاشوں کا مثلہ اسی طرح فرما رہے تھے، جس طرح گذشتہ کچھ دنوں پہلے مردان یونیورسٹی میں مشال خان کو قتل کرنے کے بعد اس کی لاش کا مثلہ ہی نہیں کیا گیا بلکہ آج تک الفاظ کے نیزوں سے اس کے خاندان کو خون کے آنسو رلایا جارہا ہے، یہ تمام حرکتیں اسوہ حسنہ ہی تو ہیں۔

****

ایسے رہزن کو رہنما کہیے

جنگ بدر میں مکہ والوں کے 70 لوگ قتل ہوئے تھے، جن میں 20 بڑے رؤسا اور سردار تھے۔ مسلمانوں میں مقتولین کی تعداد 14 تھی، جن میں 6 مہاجرین اور 8 انصار تھے۔

بالآخر وہ ساعت مراد قریب آئی جو جنگ بدر کا اول محرک تھی۔ اگرچہ ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کو لوٹنے پر زیادہ مال ہاتھ لگنے کی توقع تھی، لیکن پھر بھی مسلمانوں کو جو کچھ ہاتھ لگا، وہ مال ان کے لیے مال غنیمت ہی تھا۔ پیغمبر اسلام نے لوٹ کا مال اکٹھا کرنے کا حکم دیا لیکن ترسے ہوئے عربی بدوؤں کے درمیان اسے لے کر جھگڑا شروع ہو گیا۔ جن لوگوں نے اس مال کو جمع کیا تھا، انھوں نے کہا یہ ہمارا ہے۔ جو لوگ دشمن سے برسر مقابلہ تھے، انھوں نے کہا کہ واللہ اگر ہم نہ ہوتے تو تم اس مال تک کہاں پہنچ سکتے تھے؟ اور جو لوگ دوران جنگ اپنی نبی کی حفاظت پر مقرر تھے، انھوں نے اپنا مطالبہ پیش کیا کہ ہم تم سے زیادہ اس مال کے حقدار ہیں۔ محمد بھلا اس دعویٰ میں کیوں پیچھے رہتے، ان کے پاس اس مال پر حق جتانے کے لیے بہتر طریقہ تھا اور وہ تھی تائید غیبی، سو انھوں نے محل و موقع دیکھتے ہوئے خود پر آیت اتار لی:

" تجھ سے غنیمت کا پوچھتے ہیں، کہو غنیمتوں کا مالک اللہ اور اس کا رسول ہے، تو اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس میں میل رکھو اور اللہ و رسول کا حکم مانو، اگر تم ایمان رکھتے ہو۔" (سورہ انفال، آیت: 1)

تھوڑی دیر بعد لوٹ کے مال کے بٹوارہ کا کلیہ بھی آسمان سے اتر آیا:

" اور جان لو کہ جو کچھ غنیمت لو تو اس کا پانچواں حصہ خاص اللہ اور رسول و قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کا ہے۔ اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن اتارا جس دن دونوں فوجیں ملیں تھیں اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔" (سورہ انفال، آیت: 41)

اس طرح مال غنیمت پر پیغمبر اسلام نے اپنی کاپی رائٹ کی مہر لگا دی۔ بہر حال، ایک روایت کے مطابق مال غنیمت کے طور پر 10 گھوڑے، 150 اونٹ، بہت سے قیمتی سامان اور قیدیوں کے فدیہ کی بڑی رقوم مسلمانوں کے ہاتھ آئی تھی۔ محمد کو اپنے حصے کے علاوہ ابو جہل کا اونٹ اور شمشیر ذوالفقار ملی جو انھوں نے علی کو دے دی، یعنی ساری زندگی علی پر ابو جہل کی تلوار کا سایہ رہا اور محمد ابو جہل کے اونٹ پر بیٹھ کر بزور شمشیر دعوت و تبلیغ کرتے رہے۔

70 قیدی رسیوں میں جکڑے ہوئے ایک جھونپڑی میں ڈال دیے گئے تھے۔ اس رات محمد کو نیند نہیں آئی۔ جب ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو کہا، "میں اپنے چچا عباس کو زنجیروں میں کراہتے سنتا ہوں۔" (روضتہ الصفا، حصہ دوم، جلد اول، صفحہ 328)

ایک بار پھر محمد کا نظریہ "حق و باطل" اقربا پروری کی بھینٹ چڑھ گیا۔ پھر محمد نے حکم دیا کہ عباس کو زنجیروں سے آزاد کر دیا جائے۔ جب حکم کی تعمیل ہو گئی تو آپ سو گئے۔

مدینہ واپس کے دوران جب محمد اور ان کے اصحاب مقام الصفرا پہنچے، تو ان کے سامنے النضر بن الحارث کو بطور جنگی قیدی پیش کیا گیا۔ یہ وہی نظر بن حارث تھا، جس نے مکہ میں ان سے تین سوال کیے تھے اور پندرہ دن گذرنے کے باوجود اللہ اور محمد اس کا جواب نہ دے پائے تھے، جس سے محمد کا اہل مکہ نے کافی مذاق اڑایا تھا اور جس کی کسک آج بھی محمد کے دل میں باقی تھی۔ بہر حال، محمد نے نضر کو دیکھا، اس پر نضر نے یسیر سے کہا جو اس کے پاس ہی کھڑا تھا؛

"خدا کی قسم یہ محمد ہی میرا قاتل ہو گا، کیوں کہ اس نے جن نظروں سے مجھے دیکھا ہے، ان میں موت پوشیدہ ہے۔"

یسیر نے کہا؛ "ہر گز نہیں، یہ تمھارا خوف اور دہشت ہے۔"

علامہ سیوطی کی کتاب "اسباب نزول" میں ہے کہ مقداد نے نضر کو گرفتار کیا تھا۔ جب محمد نے نضر کے قتل کا حکم دیا تو مقداد نے احتجاجاً کہا کہ یہ میرا قیدی ہے۔ اس نے اس لیے کہا چونکہ محمد یہ اعلان پہلے ہی کر چکے تھے کہ جس شخص نے جس قیدی کو گرفتار کیا، وہ اسی کا غلام ہو گا۔ لیکن نضر کو دیکھ کر محمد اپنے ہی اصول سے روگردانی کر گئے اور

اپنے سینے میں دہکتی ذلت کی آگ کو سرد کرنے کے لیے کہا، "یہ کتاب اللہ کے بارے میں بد زبانی کیا کرتا تھا" اور اسے علی کے ہاتھوں قتل کرا دیا۔) سیرت الحلبیہ، جلد دوم، نصف آخر، صفحہ 52)

بر سبیل تذکرہ یہ بھی بتا دیا جائے کہ اسی نضر کا ایک بھائی نضیر تھا۔ ایک قول ہے کہ فتح مکہ کے دوران یہ مسلمان ہونے والوں میں سے تھا۔ جب غزوہ حنین کے مال غنیمت میں سے محمد نے اسے سو اونٹ بھیجے تو اس نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا، "میں یہ اونٹ نہیں لوں گا، چونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان اونٹوں کے بدلے میرا دل اسلام پر جم جائے لیکن میں یہ رشوت قبول نہیں کروں گا۔" (ایضاً)

پھر جب محمد عرق الظبیہ کے مقام پر پہنچے تو انھوں نے عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرایا۔ جب محمد نے اس کے قتل کا حکم دیا تو وہ بلبلا کر بولا، اے محمد میرے بچوں کے لیے کون ہو گا؟ رحمتہ للعالمین نے نہایت ہی بے رخی اور سفاکی سے جواب دیا، "النار"، یعنی جہنم کی آگ ہو گی۔ (سیرت ابن ہشام، حصہ دوم، صفحہ 300)

ذرا اس "رحمتہ للعالمین" کی شقاوت قلبی کا اندازہ لگائیں کہ اپنے دشمن کے ساتھ اس کے بچوں تک کو رگڑ ڈالا، انھیں جہنم کی آگ کی نوید سنا ڈالی، کیا قصور تھا ان بچوں کا؟ بہر حال، عقبہ بن معیط کو محمد کے حکم پر عاصم بن ثابت نے قتل کر دیا۔

المختصر، محمد قیدیوں سے ایک روز پہلے مدینہ پہنچ گئے۔ جب قیدیوں کو لایا گیا تو ام المومنین سودہ بنت زمعہ کہتی ہیں کہ واللہ میں اس وقت وہیں پر تھی (یہ واقعہ عورتوں پر پردہ فرض ہونے سے پہلے کا ہے)۔ سودہ نے دیکھا کہ محمد کے حجرہ کے ایک کونے میں ابو یزید سہیل بن عمرو پڑا ہے جس کے دونوں ہاتھ رسی سے گردن میں بندھے ہوئے تھے۔ یہ بندہ سودہ کے قبیلہ عفرا سے تعلق رکھتا تھا اور ان کے رشتہ داروں میں تھا۔ اگرچہ محمد اس وقت وہیں موجود تھے، لیکن سودہ اپنے رشتہ دار کی بے بسی دیکھ نہ پائی اور برجستہ کہا، "اے یزید! تم لوگ اپنے ہاتھ پاؤں (دوسروں کے اختیار میں) دے دیے، تم لوگ عزت کی موت مر کیوں نہیں گئے؟" ظاہر ہے محمد اسے کیسے برداشت کرتے، انھوں نے اپنی بیوی سودہ کو سختی سے ٹوکا، "اے سودہ! کیا اللہ اور رسول کی مخالفت پر اسے ابھار رہی ہو؟" سودہ کو اچانک ہوش آیا اور انھوں نے اپنی بات سنبھالتے ہوئے عذر پیش کیا، "میں نے ابو یزید کے ہاتھوں کو اس کے گلے میں بندھا ہوا دیکھا تو میں اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی۔" (سیرت ابن ہشام، حصہ دوم، 301)

اب محمد کو بقیہ جنگی قیدیوں کے تعلق سے فیصلہ کرنا تھا۔ انھوں نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ ان کا کیا کیا جائے؟ ایک روایت میں ہے کہ محمد نے صرف ابو بکر اور عمر سے پوچھا تھا۔ بہر حال، ابو بکر نے کہا کہ یہ آپ کی قوم کے لوگ ہیں، لہٰذا آپ فدیہ کے عوض ان کی جاں بخشی کر دیں۔ لیکن عمر اس بات سے متفق نہیں تھے، انھوں نے محمد سے کہا کہ جن لوگوں نے ہمیں مکہ سے نکالا، ہمیں اذیت دی، انھیں میرے حوالے کر دیجیے تاکہ سب کی گردن اڑا دوں۔ ایک دوسری روایت کے مطابق، عبداللہ ابن رواحہ کی تجویز یہ تھی کہ کوئی ایسی وادی تلاش کرو جس میں بہت سی خشک درختوں کی ٹہنیاں اور لکڑیاں ہوں، ان میں آگ لگا کر ان سارے قیدیوں کو اس کے اندر پھینک دو۔ عباس جو اس وقت خود قیدی تھے، انھوں نے چلا کر کہا، "تیرے رشتے دار خود برباد ہو جائیں۔" (سیرت الحلبیہ، جلد دوم، نصف آخر، صفحہ 61)

قصہ مختصر، محمد یہ سارے مشورے سن کر شاید کنفیوژڈ ہو گئے، اس لیے بغیر کچھ کہے اپنے گھر چلے گئے۔ کچھ دیر بعد باہر آئے اور ابو بکر کی رائے پر مہر تصدیق لگا دی، یعنی جنگی قیدیوں سے فدیہ وصولا جائے۔ ظاہر ہے اس فیصلے کا تعلق عفو و درگزر وغیرہ سے نہیں تھا بلکہ حکمت عملی سے تھا کہ اگر قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا تو انھیں کچھ حاصل نہ ہوتا، جب کہ انھیں زندہ رکھ کر ان کے مشرک رشتہ داروں سے ان کا سودا کیا جا سکتا تھا جو محمد اور ان کے اصحاب کو تونگری بخشتا۔ یوں بھی محمد کو جن سے اپنا ذاتی انتقام لینا تھا، لے چکے تھے، بقیہ قیدیوں کی زندگی و موت میں انھیں خاص دلچسپی نہ تھی۔

محمد نے ابو بکر کی رائے منظور تو کر لی تھی لیکن شاید انھیں یہ تشویش بھی تھی کہ ان کے فیصلہ سے عمر کہیں ناراض نہ ہو جائیں، لہٰذا انھوں نے دوسرے دن ایک ڈرامہ رچا۔ عمر جب محمد کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ محمد رو رہے ہیں۔ سبب پوچھا تو روتے ہوئے بتایا، "ابن خطاب! تمھاری رائے کی مخالفت کرنے میں اللہ تعالیٰ کا زبردست عذاب ہمارے سامنے پیش کیا گیا۔ اگر یہ عذاب خداوندی نازل ہوتا تو سوائے ابن خطاب کے یعنی سوائے تمھارے کوئی اور نہ بچتا۔" محمد کا اشارہ سورہ انفال، آیت 67-70 کی طرف ہے۔ چنانچہ محمد نے ایک بار پھر اصحاب کو بلایا اور اپنا پہلا فیصلہ بدلتے ہوئے ابو بکر اور عمر کی رایوں کا مکسچر یوں پیش کیا؛

"یہ جبرئیل علیہ السلام آئے ہیں جو تمھیں یہ اختیار دے رہے ہیں کہ چاہے تو تم آگے بڑھ کر ان قیدیوں کو قتل کر دو اور چاہے فدیہ لے کر چھوڑ دو مگر فدیہ لینے کی صورت میں یہ شرط ہے کہ آئندہ سال تم میں سے اتنی ہی تعداد کو شہید کیا جائے گا۔"

لوگوں نے جواب دیا، "نہیں، ہم فدیہ ہی لیں گے تاکہ اس طرح ان کے مقابلے میں ہماری طاقت مضبوط ہو اور آئندہ سال ہم میں ستر آدمی شہید ہو کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔" (سیرت الحلبیہ، جلد دوم، نصف آخر، صفحہ 67)

ایک تیر دو شکار کے مصداق محمد نے ایک طرف فدیہ کے لیے بھی لوگوں کو تیار کر لیا اور دوسری طرف انھیں آئندہ ہونے والی جنگوں کی ترغیب بھی دے دی۔

****

کچھ اس انداز سے صیاد نے آزاد کیا

جنگ بدر میں اسیر جنگی قیدیوں کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ ان کی جان اور رہائی کی قیمت (فدیہ) ان کے مشرک رشتہ داروں سے وصولا جائے۔ لہٰذا، سب سے پہلی وصولی ابو وداعہ کی رہائی سے ہوئی۔ اگرچہ قریش نے آپس میں طے کیا تھا کہ قیدیوں کی رہائی کے لیے بات چیت کرنے میں جلد بازی نہیں دکھانی چاہیے ورنہ محمد فدیہ کی رقم بڑھا چڑھا کر مانگے گا۔ لیکن مطلب ابن ابی وداعہ نے قریش کے اس فیصلے کو نظر انداز کرتے ہوئے خاموشی کے ساتھ رات کو مکہ سے مدینہ پہنچا اور چار ہزار درہم جیسی خطیر رقم ادا کر کے اپنے باپ کو چھڑا لے گیا۔ اس بارے میں محمد کو بھی کچھ کچھ اندازہ تھا، انھوں نے اپنے اصحاب سے اسی وقت کہہ دیا تھا جب ابو وداعہ جنگ بدر میں قید ہوا تھا، "مکے میں اس کا ایک بیٹا جو بہت مالدار تاجر ہے۔ وہ اپنے باپ کو فدیہ دے کر چھڑانے کے لیے تمھارے پاس آئے گا۔" (سیرت حلبیہ، جلد دوم، نصف آخر، صفحہ 68)

بہر حال، اس کے بعد قریشوں اور مسلمانوں کے درمیان فدیہ کی رقم پر بات چیت ہوئی اور ہر شخص کی مالی حیثیت کے مطابق چار ہزار درہم سے تین ہزار درہم تک کی رقم مقرر ہوئی۔ کچھ لوگوں کے لیے دو ہزار درہم سے ایک ہزار درہم بھی طے پایا۔

ان قیدیوں میں امیر معاویہ کا بھائی عمرو بن ابی سفیان ابن حرب بھی تھا، جسے علی نے گرفتار کیا تھا۔ چنانچہ جب لوگوں نے ابوسفیان سے کہا کہ فدیہ کی رقم دے کر اپنے بیٹے کو چھڑا لے تو اس نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا، "انھوں نے حنظلہ (ابوسفیان کا ایک اور بیٹا جو ام المومنین ام حبیبہ کا سگا بھائی بھی تھا) کا قتل کیا اور اب میں اپنے دوسرے بیٹے عمرو کے لیے انھیں فدیہ کی رقم دوں؟ اسے ان کے ہاتھوں میں رہنے دو، جب تک جی چاہیں قید رکھیں۔" (ایضاً)

اسی دوران ابو سفیان کی نظر سعد ابن نعمان پر پڑی جو مدینہ سے عمرہ کے لیے مکہ آئے تھے۔ یہ مدینہ کے خاندان بنی عمرو بن عوف سے تعلق رکھتے تھے۔ ابو سفیان نے جیسے ہی انھیں دیکھا، لپک کر اپنی حراست میں لے لیا۔ بنی عمرو بن عوف کو جب یہ خبر ملی تو وہ محمد کے پاس آئے اور انھیں پورا ماجرا سنایا اور ان سے درخواست کی کہ وہ ابو سفیان کے بیٹے کو ان کے حوالے کر دیں تاکہ اس کی رہائی کے عوض سعد کی رہائی ممکن ہو سکے۔ محمد نے ایسا ہی کیا اور ابو سفیان کے بیٹے کو ان کے حوالے کر دیا۔ القصہ، ابو سفیان کے بیٹے کی رہائی کے عوض سعد کو بھی ابو سفیان نے رہا کر دیا۔ (ایضاً، صفحہ 69-70)

لیکن ان میں سب سے زیادہ دلچسپ واقعہ تو خود محمد کے داماد ابو العاص ابن ربیع کا ہے جو زینب کے شوہر تھے اور جنگی قیدیوں میں شامل تھے۔ یہ قصہ میں تھوڑی تفصیل سے سنانا چاہتا ہوں، چونکہ نہایت ہی دلچسپ ہونے کے علاوہ ایک باپ اور بیٹی کے درمیان ہونے والی نفسیاتی، ذہنی اور اخلاقی کشمکش کا بہترین نمونہ ہے جس سے آپ بہت سارے نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔

جنگی قیدیوں میں ابو العاص بن الربیع یعنی پیغمبر اسلام کے داماد اور آپ کی صاجزادی زینب کے شوہر بھی تھے۔ ابو العاص کا مکہ کے ان لوگوں میں شمار تھا جو مال امانت اور تجارت کے لحاظ سے مشہور تھے۔ یہ ہالہ بنت خویلد کے فرزند تھے اور خدیجہ ان کی خالہ تھیں۔ ابو العاص کا زینب سے نکاح اعلان نبوت سے پہلے ہوا تھا لیکن اعلان نبوت کے بعد جہاں خدیجہ اور زینب نے اسلام قبول کر لیا، وہاں ابو العاص اپنے پرانے دین پر جمے رہے۔ اگرچہ قریش مکہ نے ابو العاص پر کافی زور ڈالا کہ وہ محمد کی بیٹی کو چھوڑ دے لیکن اس شریف آدمی نے بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اس طرح ایک ہی چھت کے نیچے ایک مشرک اور مومنہ رشتہ ازواج میں منسلک رہے لیکن کفار مکہ پر اس کا کوئی اثر نہ پڑا۔ کیا یہ رشتہ ایک سیکولر رشتہ کی خوب صورت مثال نہیں تھا؟ اس کے برعکس اگر موجودہ معاشرے میں کوئی مسلمان لڑکی کسی ہندو لڑکے کے ساتھ شادی کے بندھن میں بندھ جائے تو گویا طوفان سا اٹھ پڑتا ہے۔ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ زینب اور ابو العاص دونوں محبت کے اس مضبوط دھاگے میں بندھے ہوئے تھے جنھیں جنگ بدر بھی

نہ توڑ سکی، جب کہ ابو العاص اپنے سسر کے خلاف اس جنگ میں شریک بھی ہوئے اور داد شجاعت دیتے ہوئے قید بھی ہوئے۔

جب مکہ والوں نے اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے رقم روانہ کی تو زینب نے بھی اپنے شوہر کی رہائی کے لیے اپنے باپ محمد کے پاس کچھ رقم بھیجی، جس کے ساتھ وہ ہار بھی تھا جو خدیجہ نے انھیں رخصتی کے وقت دیا تھا۔ اگرچہ زینب اپنے شوہر کی رہائی کے لیے اپنے باپ سے سفارش کر سکتی تھیں لیکن ان کی غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ وہ اپنے شوہر کے دشمن کے سامنے ہاتھ پھیلائیں اور خود اپنے شوہر ابو العاص کے وقار کو ٹھیس پہنچائیں۔

بہر حال، اس کا نتیجہ وہی ہوا جو متوقع تھا۔ قریش مکہ جو محمد کو چوٹ نہ پہنچا پائے، زینب کا وہ اکلوتا ہار پہنچانے میں کامیاب ہو گیا، بقول شاعر "پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر"۔ محمد لاکھ طالع آزما سہی لیکن بہر حال وہ ایک باپ بھی تھے، ان کی آنکھیں بھر آئیں، انھوں نے اپنے اصحاب سے کہا، "اگر تمھیں مناسب معلوم ہو تو اس قیدی کو چھوڑ دو اور اس کا مال لوٹا دو۔" لوگوں نے ایسا ہی کیا، ابو العاص کو چھوڑ بھی دیا اور زینب کا بھیجا ہوا مال بھی لوٹا دیا۔ لیکن ابن اسحاق لکھتا ہے کہ رسول اللہ نے ابو العاص کی رہائی کی قیمت کے طور پر ان سے یہ اقرار لے لیا کہ وہ زینب کو مدینہ بھیج دیں گے، لہٰذا ابو العاص کو رہا کرنے کے بعد محمد نے زینب کو لانے کے لیے زید بن حارثہ اور انصار میں سے ایک شخص کو مکہ روانہ کر دیا۔ (سیرت ابن ہشام، حصہ دوم، صفحہ 310) خیر اس قصے سے ہمارے اس موضوع کا تعلق نہیں کہ قریش مکہ نے کس طرح زینب کو روکنے کی کوشش کی اور کس طرح ان کا دیور کنانہ بن الربیع ان کے درمیان دیوار بن کر کھڑا ہو گیا، ابو سفیان نے بیچ بچاؤ کیا۔ بہر حال اس نے زینب کو ایک مخصوص مقام پر زید بن حارثہ کے سپرد کر دیا، جنھوں نے زینب کو بخیر و عافیت محمد کے پاس پہنچا دیا۔ اس طرح ایک باپ نے اپنی بیٹی کو اس کا بھیجا ہوا ہار تو لوٹا دیا لیکن اس سے کہیں زیادہ بڑی قیمت وصولتے ہوئے اسے محبت کرنے والے شوہر سے جدا کر دیا، چونکہ وہ مشرک تھا۔

اس کے بعد ابو العاص مکہ میں رہے اور زینب اپنے باپ کے پاس مدینہ میں، اسلام کی دیوار ان کے درمیان حائل کر دی گئی۔ فتح مکہ کے کچھ روز پہلے ابو العاص جب شام کی تجارت کو نکلے تو ان کے حوالے قریش کے بہت سے افراد نے بھی تجارت کے مال ان کے سپرد کیے ہوئے تھے۔ جب ابو العاص اپنی تجارت سے فارغ ہوئے اور لوٹ کر

آنے لگے تو محمد کی لٹیری جماعت نے اس تجارتی قافلہ کو پکڑ لیا اور جو کچھ بھی تھا، وہ سب لوٹ لیا لیکن ابو العاص کو پکڑ نہ پائے، وہ بھاگ نکلے۔ لٹیری جماعت مال بٹور کر مدینہ واپس آگئی۔ ابو العاص کو اپنے مال کی فکر کم اور بطور امانت دار قریش کی تاجروں کے مال کی فکر زیادہ تھی، سووہ بھی رات کو چھپتے چھپاتے اپنی بیوی زینب کے پاس پہنچ گئے، اس امید پر کہ وہ لوٹا ہوا مال چھڑا سکیں۔ جب محمد صبح کی نماز کے لیے نکلے تو زینب نے عورتوں کے چبوترے سے بآواز بلند آواز لگائی، "لوگو! میں نے ابو العاص بن الربیع کو پناہ دی ہے۔" محمد نے سلام پھیرنے کے بعد اپنے اصحاب کی طرف دیکھا اور کہا، "کیا تم نے بھی وہ سنا جو میں نے سنا ہے؟" پھر محمد اپنی بیٹی کے پاس آئے اور کہا، "اس کی خاطر داری ضرور کرنا لیکن اس کو اپنے ساتھ خلوت میں نہ آنے دینا کیوں کہ تم اس کے لیے حلال نہیں ہو۔" (سیرت ابن ہشام، حصہ دوم، صفحہ 315) پھر ہمیشہ کی طرح اقربا پروری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اصحاب کو حکم دے کر اپنے داماد کا مال انھیں لوٹا دیا۔ مورخین کہتے ہیں کہ ابو العاص نے محمد کی صلہ رحمی سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا لیکن کیا پتہ اس شریف آدمی نے بطور شکر گذاری اسلام قبول کیا ہو۔

بہر حال، ابو العاص کے اسلام قبول کرنے کے بعد کئی لوگوں نے انھیں مشورہ دیا کہ وہ لوٹایا گیا مال اپنے پاس رکھ لیں چونکہ یہ مشرکین کے ہیں لیکن ابو العاص نے امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا۔ (ایضاً، صفحہ 316)

****

یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

جب مکہ میں شکست کی خبر پہنچی تو تمام اہل مکہ میں حیرت اور ہیبت پھیل گئی۔ ابو سفیان نے؛ جس کا ایک بیٹا قتل ہوا اور دوسرا جنگی قیدی بنا، اس نے ماتم کرنے سے منع کیا اور کہا کہ اگر تم ماتم کروگے تو محمد اور اس کے اصحاب خوشیاں منائیں گے۔ ابو سفیان نے جنگ بدر کی شکست کا انتقام لینے کی قسم کھائی، لہٰذا دوسری لڑائی یعنی جنگ احد میں وہی سپہ سالار تھا جس میں مسلمانوں نے شکست کھائی اور محمد کے چار دانت بھی شہید ہوئے تھے۔

مکہ میں بعض اشخاص ایسے بھی تھے جو درپردہ اسلام کی طرف مائل تھے اور اہل مکہ کی شکست پر اسی طرح خوش تھے، لیکن اپنی خوشی کا اظہار کرنے کی جرات نہ کر سکتے تھے، بالکل اسی طرح جس طرح مغربی ممالک میں رہنے والے نائن الیون پر خوش تھے اور بظاہر اسلامی دہشت گردی کی مذمت کر رہے تھے۔ بہر حال، جنگ بدر نے محمد اور اہل مکہ کے درمیان ایک پختہ لکیر کھینچ دی تھی اور صلح صفائی کی تمام گنجائشیں ختم ہو گئی تھیں۔

پیغمبر اسلام کی زندگی میں جنگ بدر کافی اہمیت کی حامل ہے۔ تیرہ سال کی مکی زندگی میں آپ صرف 83 لوگوں کو مسلمان بنا پائے تھے، اگر جنگ بدر میں آپ کو کامیابی نہ ملتی تو شاید آپ کا نام آج سے چودہ سو سال پہلے آپ کے ساتھ ہی دفن ہو جاتا اور دنیا اسلام نام کے کسی مذہب سے ناواقف رہتی۔ جنگ بدر میں ملنے والی فتح دوسری فتوحات سے اس لیے مختلف ہے کیوں کہ اس سے اسلام کو نئی زندگی ملی، جمعیت میں اضافہ ہوا، ہمت بڑھی اور ہر لحاظ سے تقویت ملی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اس جنگ نے محمد اور ان کے اصحاب کو وہ "صراط مستقیم" بتا دیا جس پر چل کر اسلام کو زندہ اور پائندہ رکھا جا سکتا تھا، لہٰذا اب اسلام کی فتح و نصرت کا دارومدار پوری طرح تلوار پر آ گیا۔

اب آیئے، جنگ بدر کے اس واقعہ کا مختصر تجزیہ اور محاسبہ کرتے ہیں:

(1) اہل مکہ ایک ہزار کی تعداد میں ضرور روانہ ہوئے تھے لیکن ابوسفیان کے بھیجے ہوئے دوسرے پیغام کے پیش نظر کہ اب تجارتی قافلہ خطرے میں نہیں ہے، بہت سے واپس چلے گئے تھے۔ جو بچے کھچے آگے بڑھتے چلے گئے تھے، ان میں سے بھی، جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ بہت سے ایسے تھے جو محض ابوجہل کے اکسانے پر جنگ لڑے تھے، ظاہر ہے کسی بھی فوج کے لیے بے دلی سے لڑنا، اس کے لیے کیسے سم قاتل بن سکتا ہے، بتانے کی ضرورت نہیں۔ اس بات کا بھی اعتراف کرنا چاہیے کہ فن سپاہ گری میں کفار مکہ کے مقابلے میں مسلمانوں کو زیادہ مہارت حاصل تھی۔ پھر یہ بھی نہ بھولیے کہ پانی کے حوضوں پر بھی مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ چنانچہ ایک طرف مسلمانوں کی فوج تھی جس کے دل و دماغ میں یہ بات اچھی طرح سے بھری ہوئی تھی کہ یہ جنگ ان کے دین و دنیا کی فیصلہ کن بازی ہے، اور اسی پر اسلام کی زندگی اور مسلمانوں کی شناخت کا انحصار ہے، جب کہ دوسری طرف ایک ایسی فوج تھی جس پر جنگ مسلط کی گئی تھی اور اس فوج میں بہت سارے ایسے لوگ تھے جو لڑنا نہیں چاہتے تھے، انھیں اس بے مقصد جنگ کا کوئی حاصل نظر نہیں آتا تھا، لہٰذا یہ فوج پست ہمت، بد دل اور کسی قدر بیزار تھی۔

(2) اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اس جنگ کا ذمہ دار کون تھا؟ اس بات کا ہمارے پاس کوئی ثبوت موجود نہیں کہ مکہ سے نکلنے کے بعد محمد پر اہل مکہ نے اجتماعی طور پر کوئی تعدی کی ہو۔ اس کے برخلاف وہ خوش تھے کہ وہ شخص، جو ان کے خداؤں، ان کے رسوم اور طرز عبادت کو حقیر سمجھتا تھا اور ان کا مذاق اڑاتا تھا، ان کے درمیان سے نکل گیا، یعنی جان چھوٹی لاکھوں پائے۔ لیکن اس کے برعکس ہم تصویر کا دوسرا رخ کیا دیکھتے ہیں کہ محمد نے مدینہ پہنچنے کے ایک سال بعد ہی ودان پر چڑھائی کرڈالی جسے "غزوہ ودان" کے نام سے جانا جاتا ہے، اگرچہ انھوں نے مکہ والوں کو وہاں نہ پایا۔ پھر دوسری اور تیسری مرتبہ بھی لشکر کشی کی، حتیٰ کہ تیسرے حملہ میں ایک نہایت متمول کارواں آپ کے ہاتھ لگ گیا۔ پھر چوتھے حملے میں ایک عربی سردار کا تعاقب کیا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ قریش مکہ کا دوست تھا۔ اس کے علاوہ اور حملے بھی کیے گئے جن میں بقول راویوں کے محمد کے راسخ العقیدہ سپہ سالار تھے لیکن درحقیقت وہ ڈاکو اور لٹیرے تھے جن میں صرف مہاجرین شامل تھے، انصار ایک بھی نہ تھا (یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ حملے اپنی حفاظت کے لیے نہیں تھے، کیوں کہ انصار کا عہد محمد کی حفاظت کا عہد تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیں، "کشف القرآن"، صفحہ 86)

انصار لوٹ مار کے ابتدائی معرکوں میں شریک نہیں ہوئے لیکن جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے اور یہ جنگ بھی محمد کی حفاظت کے لیے ہر گز ہر گز نہ تھی۔ انصار کے جنگ بدر میں شریک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس موقع پر تمام مسلمانوں میں جنگی روح سرایت کر چکی تھی اور پرانا عہد و پیمان یا تو بھول گیا تھا یا اس کی اب پرواہ نہیں کی جا رہی تھی۔ مسلمان درج بالا حملوں میں بار بار ناکام ہو رہے تھے، اور اس سے ان کی قدر و منزلت میں کافی کمی ہی نہیں بلکہ ان کی عزت پر بھی بٹہ لگ رہا تھا، لہٰذا ان کے لیے ایک ایسے دھاوے کا اہتمام کرنا ضروری ہو گیا تھا جس میں وہ کھوئے ہوئے عزت و وقار کو پا سکیں۔

یہ حملہ اہل عرب کے اس مقدس مہینے میں ہوا تھا، جس میں کسی طرح کا لڑائی جھگڑا قطعی جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہ وہ مہینہ تھا جس میں اہل قریش اپنے قدیم دستور کے مطابق بے خوف و خطر ہو کر اپنے کارواں کو بغیر جنگی مردوں کی حفاظت کے بھی بھیج سکتے تھے۔ لہٰذا محمد نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ایک کارواں کو نخلہ کے قریب بآسانی مغلوب کر کے لوٹ لیا۔ مقدس مہینے کی اس بے حرمتی پر اہل مکہ گھبرا گئے اور محمد کو لعنت ملامت کرنے لگے، لہٰذا اپنے فعل کو درست قرار دینے کے لیے محمد کو وحی منگوانی پڑی (دیکھیں، سورہ بقرہ، آیت 217)۔

المختصر، یہ بات کسی طور بھی پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتی کہ اس لڑائی کا آغاز اہل مکہ کی جانب سے ہوا تھا۔ زمانہ سلف کے مورخین ان لڑائیوں کا ذکر بلاتردد صاف صاف اور بے دھڑک کرتے ہیں، انھیں کبھی خیال نہیں آیا کہ ان کاروائیاں پر کبھی کوئی اعتراض بھی کر سکتا ہے یا سوال اٹھا سکتا ہے۔ لیکن موجودہ زمانہ کی ذہنی ارتقا کے بعد جب اس پر اعتراضات کا سلسلہ شروع ہوا تو ہم اس بیان میں نئے پاسبان اسلام کی جواز جوئی اور کذب بیانی دونوں شامل دیکھتے ہیں، مثلاً سید امیر علی اپنی کتاب "اسپرٹ آف اسلام" کے صفحہ 145 میں لکھتے ہیں کہ مکہ والوں نے مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے مکہ پر چڑھائی کی تھی اور اپنے ایک کارواں کی حفاظت کے لیے بھی، جو ان کا سامان تجارت لا رہا تھا۔ جب کہ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ وہ کارواں مدینہ کی طرف نہیں بلکہ مدینہ سے دور دور مکہ کی طرف بھاگ رہا تھا۔ اس کے علاوہ یہ کارواں اشیائے تجارت لا رہا تھا، نہ کہ جنگی اسلحہ۔ جب اہل مکہ کو علم ہوا کہ محمد اس کارواں کو لوٹنے والے ہیں تو انھوں نے محض اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لیے یہ اقدام کیے۔

بہر حال، یہ صاف ہو جاتا ہے کہ جنگ میں پیش قدمی مسلمانان مدینہ ہی کی طرف سے تھی۔ اس زمانہ کے مصنفین جو بڑی کوششوں سے مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے حقائق کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اور طرح طرح کی جواز جوئی اور عذر لنگ پیش کرتے ہیں، اس سے عیاں ہے کہ وہ اپنے ہی اسلاف کے بیانات کا رد پیش کر رہے ہیں۔ "روضتہ الصفا" کا مصنف بڑی صاف گوئی سے اعتراف کرتا ہے، "رسول اللہ کو یقین تھا کہ کفار کی گرمی یوں دور نہیں ہو گی، جب تک چمکتی ہوئی تلواروں کی بارش ان پر نہ ہو، کیوں کہ ہر معاملہ اسباب سے وابستہ ہے، اور دشمنوں کا مال و متاع لوح محفوظ پر اسلامی مبارزین کا مشاہرہ مقرر ہو چکا تھا۔ ("روضتہ الصفا، حصہ دوم، جلد اول، صفحہ 281)

****